علامہ اقبال کی دو نظموں کی سرگزشت*

محمد عبداللہ قریشی

آپ نے ''بانگ درا'' میں علامہ اقبال کا یہ مشہور قطعہ ''عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں'' کئی بار پڑھا ہوگا یہ دراصل مسلمانوں کے زوال کا ایک پر درد مرثیہ ہے جو لاہور کے مشہور تاریخی باغ ''شالامار'' کے ایک ''برگ زرد'' کی زبانی بیان کیا گیا ہے اس ''برگ زرد'' کو حضرت علامہ نے ''موسم گل کا رازدار'' کہا ہے نظم میں ہمارے شاندار ماضی کے تذکرے کے ساتھ گزشتہ تہذیب وتمدن کی وہ جھلکیاں دکھائی گئی ہیں جو اب ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو چکی ہیں ایک ایک لفظ میں جہان معنی پنہاں ہے مصرعے مصرعے پر مضمون لکھا جا سکتا ہے، مثلاً:

کیا وہ موسم گل جس کا راز دار ہوں میں
اجاڑ ہو گئے عہد کہن کے میخانے

خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یاد فصل بہار
خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں!

پیام عشق و مسرت ہمیں سناتا ہے!
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے!

اقبال نے یہ اشعار کب اور کس کی فرمائش پر لکھے؟ یہ سوالات

---

*9 نومبر 1980 کو علامہ کے ایک سو تیسرے یوم پیدائش کے موقع پر پڑھا گیا

ہر پڑھنے والے کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب شاید دل چسپی سے خالی نہ ہو دل چسپ اس لیے بھی کہ اقبال فرمائشوں پر بہت کم توجہ دیتے تھے وہ شخص کس قدر خوش نصیب ہو گا جو اقبال کو گرم سوز و ساز کر سکا اور جس کی تحریک پر اقبال نے یہ دل دوز قطعہ لکھا۔

کراچی نے انگریزی روزنامہ ''ڈان'' نے 1950 میں اس اخبار کا اردو ایڈیشن شائع کرنے کا تجربہ بھی کیا تھا، جس کی ادارت الطاف حسین، سید حسن ریاض اور فضل احمد صدیقی کے سپرد تھی اس کی 22 اپریل 1950 کی اشاعت میں جناب بدر الحسن صاحب اختر بدایونی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں مضمون نگار نے یہ انکشاف کرتے ہوئے کہ علامہ اقبال نے یہ نظم بدایوں کے مولوی نظام الدین حسین، مدیر ہفتہ وار ''ذوالقرنین'' کی فرمائش پر لکھی تھی، اپنی تاریخ دانی کا ثبوت یوں دیا تھا:

''یہ اسی سرزمین کے ایک ادیب اور صحافی کی فرمائش کی تکمیل ہے جس کے لیے علامہ نے ایک جگہ کہا ہے''

اے خاک بدایونے، ترسم کہ دگر خیزد
آشوب ہلا کوئے ہنگامہ چنگیزے

بدایوں کی اہمیت جتانے کے جوش میں انہوں نے تحریف وتصرف سے کام

لے کر علامہ کے اس مصرع ہی کو بدل ڈالا ''از خاک سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد'' اور آشوب ہلاکو اور فتنہ چنگیز بھی سمرقند کے بجائے بدایوں ہی سے اٹھا دیے بہر حال میں نے اس تحقیق کو آگے بڑھایا اور مولوی نظام الدین حسین نظامی مرحوم کے پوتے جمال الدین مواس سے 21 اگست 1915 کے ''ذوالقرنین'' کا وہ پرچہ حاصل کرلیا جس میں اس نظم کی شان نزول کی پوری کیفیت دی گئی ہے واقعہ یہ ہے کہ مولوی نظامی نے اگست 1915 میں عید الفطر کی تقریب سعید پر بدایوں میں اپنی شان اور نوعیت کا ایک انوکھا مشاعرہ منعقد کیا یہ ایک قسم کا عید ملن جشن تھا جس میں روحانی غذا کے ساتھ ساتھ کام و دہن کی ضیافت کا اہتمام بھی کیا گیا تھا مشاعرے کے لیے یہ طرح تجویز کی گئی تھی

اے دل پر داغ بے تابی سے کچھ حاصل نہیں

مقامی شاعروں کے علاوہ باہر سے بھی چند بزرگ شاعروں کو مدعو کیا گیا تھا، جن میں سے لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال نے اپنی بعض مجبوریوں کا عذر کر کے مشاعرے میں شرکت تو نہ کی لیکن اپنی نظمیں ڈاک کے ذریعے بھیج دیں، جو خاص عید کے موضوع پر مولوی نظامی کی فرمائش کے جواب میں تھیں یہ دونوں نظمیں 14 اگست کے مشاعرے میں جو سید محفوظ علی بدایونی کی صدارت میں ہوا تھا، پڑھوانے کے بعد جشن عید کی پوری روداد کے ساتھ 21 اگست 1915 کے ''ذوالقرنین'' میں شائع کردی گئیں اس بات کو آج پینسٹھ برس ہوتے ہیں مشاعرے کی تمام غزلیں اور نظمیں پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اظہار و بیان کے اسلوب اور پیرایے مختلف ہونے کے باوجود جذبات سب

کے ایک سے تھے یہ جنگ عظیم کا زمانہ تھا ترکیہ اور دیگر اسلامی ریاستوں پر آگ کے شعلے برس رہے تھے مسلمان جہاں کہیں بھی تھے اپنے اپنے دینی بھائیوں کی تباہی و بربادی کی لرزہ خیز داستانیں سن سن کر خون کے آنسو رو رہے تھے اکبر الہ آبادی تو یہ کہہ رہے تھے۔

پیش نظر ہمارے ہے شام شب فراق
اس کی سحر جو ہو تو ہماری بھی عید ہے

اقبال بھی سوگوار تھے ان کی یہ نظم انہی جذبات کی آئینہ دار ہے

پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے!
ہلال عید ہماری ہنسی اڑتا ہے

جب یہ قطعہ اخبار ''ذوالقرنین'' میں شائع ہوا تھا تو اس کے آٹھ شعر تھے ''بانگ درا'' کی ترتیب کے وقت اس کے دو شعر حذف کر دیے گئے، جس سے فرمائش کرنے والے کا نام نکل گیا اور نظم کا عنوان ایک معما بن کر رہ گیا دیکھیے نظامی صاحب کو مخاطب کر کے اقبال کس دل سوزی سے اپنے غم و اندوہ اور تنہائی کا اظہار کرتے ہیں

مجھے قسم ہے نظامی! مدینے والے کی
ہمیشہ ماتم ملت میں اشک بار ہوں میں

سرود مرغ نوا ریز و ہم نشینی گل
مرے نصیب کہاں غنچہ مزار ہوں میں

علامہ اقبال کی یہ نظم اتنی مقبول ہوئی کہ انہی دنوں اس پر تضمینوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا بدایوں ہی کے ایک شاعر کی تضمین کے یہ دو بند بطور نمونہ پیش خدمت ہیں

وہ دین جس سے کہ بزم جہاں کی رونق تھی
ہزار حیف کہ مردہ ہوا ہے جیتے جی!
شریک غم نہ ہوں یہ ہے خلاف ہمدردی
''مجھے قسم ہے نظامی! مدینے والے کی
ہمیشہ ماتم ملت میں اشک بار ہوں میں''

وہ غم پسند ہے دل، غم سے چین پاتا ہے
خوشی کی باتوں سے منہ کو کلیجہ آتا ہے
یہ لطف دید ملاقات دل دکھاتا ہے
''پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے''

دوسرا قطعہ ''وحی'' کے زیر عنوان ''ضرب کلیم'' میں ہے اس کے شان نزول کی کیفیت یہ ہے کہ سر سید احمد خان کے پوتے اور جسٹس سید محمود کے بیٹے سر راس مسعود علی گڑھ یونیورسٹی کی وائس چانسلری سے مستعفی ہونے کے بعد نواب حمید اللہ خاں، فرماں روائے ریاست بھوپال، کے اصرار پر ناظم اعلیٰ تعلیمات و امور مذہبی کی حیثیت سے بھوپال میں مقیم تھے وہ 1934ء سے جولائی 1937ء تک یعنی

اپنی وفات تک وہیں رہے علامہ اقبال کی ذات سے ان کی اور نواب صاحب بھوپال کی والہانہ عقیدت اقبال کو اکثر بھوپال آنے کی دعوت دیتی رہتی تھی اقبال نے ''ضرب کلیم'' نواب صاحب کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ پیش کی:

بگیر ایں ہمہ سرمایہ بہار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

اس تعلق خاطر کی بنا پر اقبال اپنے گلے کی بیماری کے برقی علاج کے لیے اکثر بھوپال جاتے اور سر راس مسعود کے ہاں کئی کئی دن مہمان رہتے مسعود کے پاس قیام کے دوران میں اقبال پر اکثر بلند پایہ فکر اور خیال کا الہام ہوتا ڈاکٹر ظہیر الدین احمد الجامعی (مرحوم) صدر شعبہ مذہب و ثقافت، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، بیان فرماتے تھے کہ ''ایک مرتبہ لاہور جاتے ہوئے میں راس مسعود سے ملنے کے لیے بھوپال اتر گیا اتفاق سے اقبال بھی مسعود ہی کے مکان پر فروکش تھے، لیکن بیماری کا ان پر غلبہ تھا تقریباً فراش تھے معراج کی شب تھی مسعود کا مدار المہام امور مذہبی کی حیثیت سے مسجد شاہ جہانی میں منعقد تقریب میں شریک ہونا شاید ضروری تھا۔ تقریب معراج میں جاتے ہوئے مسعود نے مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا۔''

''منبر پر فروکش ایک مولانا وعظ فرما رہے تھے انہوں نے وحی اور نبوت کے اسرار جس عالمانہ انداز میں پیش کیے اور جس دردیدہ ذہنی کے ساتھ اس موقعہ پر اقبال کے کلام سے استناد کیا، راس مسعود کو اس جہل و جرأت نے بہت دکھ پہنچایا وہ ان مہملات کو سننے کی تاب نہ لا سکے زیادہ دیر تک وہاں نہ ٹھہرے اور جلد ہی لوٹ آئے۔''

''گھر پہنچے تو اقبال جاگ رہے تھے اور قلبی دورے کی وجہ سے کسی قدر بے چین تھے مسعود مزاج پرسی کے لیے اقبال کے کمرے میں چلے گئے اور ان کا دل بہلانے کی خاطر نہایت ہی دلچسپ اور شیریں انداز میں مولانا کی اس ہرزہ سرائی کا ذکر کیا، جس سے وہ خود تو پر دل ہوئے تھے لیکن اقبال کو خوش دل کر دیا۔ مسعود کی سحر بیانی، خوش کلامی، ادیبانہ انداز گفتگو، فطری ظرافت اور خوش طبعی اقبال کے لیے ہزاروں دواؤں کی ایک دوا ہوا کرتی تھی اس وقت ایسا محسوس ہوا جیسے مسعود کی گفتگو نے تریاق کا کام کیا ہے یک بارگی شگفتگی کے آثار پیدا ہوئے اقبال کے چہرے پر بشاشت پھیل گئی اور انہوں نے بڑے ہی ظریف لیکن متین انداز میں کہا'' اگر مولانا نے میرے کلام کو اپنے حسب منشا استعمال کیا ہے، تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ اس موقعے پر اقبال نے امام غزالیؒ کا ایک واقعہ بیان کیا فرمایا کہ طویل سفر کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد غزالی دمشق پہنچے جمعہ کا دن تھا جمعہ پڑھنے کے لیے جامع امویہ کا قصد کیا مسجد بھری

---

1 ''اقبال کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی'' ص 55

ہوئی تھی سیڑھیوں کے قریب جوتیوں کے پاس جگہ پائی صفیں چیر کر آگے بڑھنے کے بجائے درویشانہ انداز میں وہیں بیٹھ گئے نماز کے بعد ایک واعظ نے اپنی چرب زبانی کے جوہر دکھانے شروع کیے ایک موقع پر اپنے کسی قول کی تائید میں اس نے امام غزالی کا نام استعمال کیا غزالی چونکہ بہت حیران ہوئے اور انہوں نے اپنی نیک نفسی سے واعظ کے متعلق بدگمان ہونے کے بجائے یہ خیال کیا کہ کسی غلط روایت پر اعتماد کر کے ان کی جانب یہ قول منسوب کر دیا ہے۔''

''آدابِ فقر و درویشی نے امام غزالی کو فوراً وعظ کی اس غلطی کی تصحیح کی اجازت نہ دی مگر جب وعظ ختم ہو گیا اور مجمع چھٹ چکا، تو انتہائی تواضع اور انکسار کے ساتھ آگے بڑھے اور واعظ سے تخلیے میں کچھ کہنے کی درخواست کی غزالی عمر میں واعظ کے باپ ہو سکتے تھے مگر واعظ نے ان کو بچہ کہ کر مخاطب کیا اور کہا'' میاں! ہم سے تخلیہ کیا؟ جو چاہو کہ دو، غزالی نے جب واعظ کو اس غلط انتساب پر متنبہ کیا، تو وہ ایک دم طیش میں آ گئے کہا: ''کچھ دماغ میں خلل تو نہیں ہوا ہے کہ خود کو غزالی سمجھنے لگا ارے! تیرے باپ نے تیرا نام اگر غزالی رکھ دیا ہے، تو کیا تو امام غزالی ہو گیا؟ امام غزالی اس کا جواب تو کیا دیتے، صبر کیا اور خاموشی کے ساتھ لوٹ آئے۔''

''یہ واقعہ سنانے کے بعد اقبال نے مسکراتے ہوئے فرمایا اگر میں ان مولانا سے یہ کہنا کہ میرا یہ منشا ہرگز نہیں تھا، جس کا اظہار آپ فرما رہے ہیں، تو شاید غزالی سے کچھ بہتر سلوک میرے ساتھ نہ کیا جاتا۔''

''مسعود سے تھوڑی سی گفتگو کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اقبال بالکل تندرست ہو چکے ہیں، لیکن مسعود نے زیادہ دیر بیٹھنا مناسب نہ سمجھا اور ان کو آرام کی نیند سونے کے لیے خدا حافظ کہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔''

اقبال کے لیے ملاجی کی اس ہرزہ سرائی نے مہمیز کا کام کیا اور ایک بہترین الہام کا سامان مہیا کر دیا۔ ڈاکٹر ظہیر فرماتے ہیں: ''صبح جب ہم اقبال کے ساتھ چائے پی رہے تھے، تو اقبال نے کہا کہ رات ''حقیقت وحی'' کے متعلق بے ساختہ ایک خیال نظم ہو گیا ہے مسعود، جن کے لیے اقبال کا ہر لفظ الہام کا درجہ رکھتا تھا، اس لئے الہام کے سننے کے لیے سراپا اشتیاق اور مجسم گوش دکھائی دینے لگے اقبال نے

حسب معمول اپنے پرتمکین اور باوقار لہجے میں فرمایا"

عقل بے مسایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن ت خمیں تو زبوں کار حیات!
فکر بے نور ترا، جذب عمل بے بنیاد!
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات!
خوب و نا خوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات

ڈاکٹر ظہیر فرماتے ہیں کہ "حقیقت وحی" کے متعلق اس اظہار خیال کو اور خود اقبال کی زبانی سن کر ایک عجیب وجد اور سرشاری کی کیفیت تھی جو صرف محسوس ہی کی جا سکتی تھی، الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی مسعود تو تقریباً جھوم رہے تھے اور مزے لے لے کر اس قطعے کو دہرا رہے تھے اس نادر تخیل نے وحی کے متعلق تمام پردے ہٹا دیے اجنبیت کے ہر گونہ احساس کو یک لخت دور کر کے یہ محسوس کرا دیا کہ وحی باہر سے مسلط کیا ہوا کوئی اجنبی حکم نہیں بلکہ خود انسانی ضمیر کی گہرائیوں سے ابلا ہوا چشمہ ہے پیغمبر کا ضمیر انسانیت کے لیے مجلا اور شفاف آئینے کا کام دیتا ہے اس میں ہر فرد انسانی کے ضمیر اور زندگی کی فطری احتیاجات کا انعکاس ہوتا ہے پیاسی فطرت کی آبیاری کے لیے اس کے ضمیر کی گہرائیوں سے علم و عرفان کے چشمے ابل پڑتے ہیں جو پوری انسانیت کے ضمیر کی نمائندگی کرتے ہیں۔

وحی کی یہ کتنی جاذب توجہ، معقول اور دل نشیں تعبیر ہے کہ ارتقائی مدارج طے کرتے ہوئے زندگی خود کو گونا گوں پیچیدگیوں، نت نئے ہنگاموں اور گھٹا ٹوپ

تاریکیوں میں مبتلا کر لیتی ہے انسانی عقل، جو حواس کے تابع ہے اور صرف ظن و تخمین اور شک وشبہ کا فائدہ دے

---

2 ''کلیات اقبال اردو'' (''ضرب کلیم'') ص 500

سکتی ہے اور عمل کے حسن و قبح کے لیے کوئی آخری، قطعی اور یقینی معیار نہیں پیش کر سکتی جب خود کو ان گتھیوں کے سلجھانے سے قاصر پاتی ہے، تو بلا استعانت حواس اپنے اسرار آپ کھولتی اور خوب و ناخوب عمل کی گرہ کشائی کے لیے آخری، قطعی اور یقینی راہ اختیار کر لیتی ہے حل مشکلات کے اسی طریقے کو اقبال وحی کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

''اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے گویا اسلام کی پیدائش اخذ نتائج کی قابلیت کی پیدائش ہے اسلام میں نبوت اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی اس لیے وحی نے خود اپنے خاتمے کی ضرورت محسوس کی یہ بات اس اہم حقیقت کا پتا دیتی ہے کہ قدرت کاملہ نے انسان کو مکمل شعور حاصل کرنے کے لیے اپنی ذاتی قابلیتوں پر ہی بھروسا کرنے کے لیے مجبور کیا ہے قرآن مجید کا پیشوائیت اور بادشاہیت کو ختم کرنا اور عقل و تجربے پر زیادہ زور دینا بھی اسی منشائے ایزدی کے اشارے ہیں۔''

یوں دیکھا جائے تو شریعت، جس کا سرچشمہ وحی ہے، انسان پر تھپا ہوا کوئی اجنبی حکم نہیں بلکہ اعماق حیات سے نکلے ہوئے احکام کا مجموعہ ہے، جس کی طرف اقبال نے یوں اشارہ کیا ہے

فاش می خواہی اگر اسرار دیں
جز بہ اعماق ضمیر خود مبیں

گویا:

حقیقت را بہ رندے فاش کردند

کہ ملا کم شناسد راز دیں را

---

3 ''تشکیل جدید الہیات اسلامیہ'' ص 120 (اردو ترجمہ صفحات 193-194)

---

4 ''کلیات اقبال فارسی'' (''پس چہ باید کرد'' ص 826

☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006